نئے ٹیکس اور نئے سرچارج۔ حکومت کچھ تو خدا کا خوف کرے

حرفِ تمنا

☆☆☆☆☆

ارشاد احمد حقانی

روزنامہ "جنگ" کے ایک سینئر رپورٹر کی اطلاع کے مطابق یکم جولائی سے تمام صارفین بجلی، گیس، پانی، ٹیلی فون اور پراپرٹی ٹیکس وغیرہ کے بلز ادا کرتے وقت 20 روپے فی بل اضافی ادائیگی کرنے کے مکلف ہوں گے۔ یہ ایک طرح کا نیا بنک چارج ہوگا۔ یہ تجویز بھی ہے کہ بنکوں سے ہر قسم کا لین دین کرنے والوں کو بھی 20 روپے فی آئیٹم مزید ادا کرنا پڑیں گے۔ یہ نیا بوجھ تو شاید ابھی چند ماہ بعد عائد ہوگا لیکن بلوں کی ادائیگی پر 20 روپے فی بل یکم جولائی سے وصول کیا جانا شروع ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کوئی حکومتی اہلکار یہ موقف اختیار کرے کہ 20 روپے کی رقم قابل ذکر نہیں ہے اور کسی بھی صارف کو اسے ادا کرنے میں کوئی خاص مشکل پیش نہیں آنی چاہئے لیکن یہ رائے کوئی ایسا اہلکار ہی ظاہر کرسکتا ہے جو پاکستانی عوام کی غالب اکثریت کی مالی حالت سے بے خبر ہو۔ جس شخص کو ہر ماہ بجلی، گیس، پانی وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی پر 80 یا 100 روپے زائد ادا کرنے پڑیں وہ اس کا بوجھ اور تلخی شدت سے محسوس کرے گا۔ اور عوامی سطح پر اس فیصلے کا شدید منفی ردعمل ہوگا۔ بدقسمتی سے ایوان اقتدار میں براجمان اہلکار زمینی حقائق سے کٹ جاتے ہیں اور عام آدمی کی بدیہی اور سنگین مشکلات کا بھی انہیں ادراک نہیں رہتا۔ ماضی میں اقتدار میں رہنے والے بہت سے لوگوں کو یہ اعتراف کرتے سنا گیا ہے کہ جب ہم اقتدار کے ایوانوں میں موجود ہوتے ہیں تو ہماری آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور ہم بہت سی بدیہی حقیقتوں کے ادراک سے بھی عاری ہو جاتے ہیں۔ سیاسی حکومتوں کا تو کچھ نہ کچھ برا بھلا رابطہ براہ راست اور منتخب نمائندوں کے ذریعے عوام سے رہتا ہے، فوجی اور ٹیکنوکریٹس کی حکومت تو عوام سے قریب قریب کلی طور پر کٹی ہوتی ہے۔ یوں کہئے کہ اس کی دونوں آنکھیں نہیں تو کم از کم ایک آنکھ ضرور بند ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہی خول (Ivory Tower) میں گھری رہتی ہے۔ مشرف حکومت نے تین سال میں کسی بھی قابل ذکر سیاسی قوت کو اپنا ہمخیال اور اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کیونکہ اسے اپنی راست فکری اور اپنی مقبولیت اور طاقت کا ایسا زعم رہا ہے کہ وہ معاشرے کے کسی بھی طبقے کی حمایت حاصل کرنے کی ضرورت سے مستغنی رہی۔ اسی وجہ سے آج اس کی حالت یوسفِ بے کارواں کی ہے۔ جو آئینی سکیم وہ نافذ کرنا چاہ رہی ہے وہ آج اور کل کے زمینی حقائق سے قطعی بے خبر کوئی ٹیکنوکریٹ ہی تیار کرسکتا ہے۔ اس آئینی سکیم کی کوکھ سے خوفناک محاذ آرائی جنم لے گی جو موجودہ حکمرانوں ہی کو غیر مستحکم نہیں کرے گی ملک کو بھی داخلی بحران سے دوچار کر ڈالے گی۔ یہ تو خیر بڑی بڑی باتیں ہیں اور ان پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ حکومت نے عام صارفین کی مشکلات کا بھی کبھی کوئی احساس نہیں کیا بلکہ الٹا ان پر آئے روز نئے بوجھ لادے جا رہے ہیں۔ انہی دنوں یہ تجویز بھی سامنے آئی ہے کہ پیپرا کے اخراجات پورے کرنے کے لئے بجلی کے بلوں پر ایک اور اضافی سرچارج عائد کر دیا جائے۔ ٹیلی فون کے بلوں پر بھی ایک اور ٹیکس عائد کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ بجلی کے نرخوں میں بھی اضافہ ایک معلق تلوار کی حیثیت سے دکھائی دے رہا ہے۔ عام آدمی آخر کب تک ان اضافی بوجھوں کو برداشت کرتا چلا جائے گا؟ پاکستان کے کروڑوں گھرانے پہلے ہی جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔ ہر روز ڈاک میں مجھے ایسے خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں اچھے خاصے پڑھے لکھے قارئین شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں کہ تم سیاسی مسائل پر ضرورت سے زیادہ لکھتے ہو جبکہ عام آدمی کو اس "بکواس" سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ گرانی اور بیروزگاری کے ہاتھوں پلا جا رہا ہے۔ ابھی اگلے ہی روز ایک سنجیدہ اور معمر مراسلہ نگار نے لکھا کہ نوجوانوں کی بیروزگاری کا ایک ضمنی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں 80 لاکھ سے ایک کروڑ تک شادی کے قابل بچیاں صرف اس وجہ سے گھروں میں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں کہ برسرروزگار لڑکوں کا قحط ہے۔ انہوں نے لکھا ہمارے بچے اور بچیاں ڈگریاں اور ڈپلومے لئے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور انہیں کوئی ملازمت نہیں مل رہی۔ حکومت بڑی ڈینگیں مارتی ہے کہ اس نے معیشت کو ٹھیک کر دیا ہے۔ ہمارے Macro indicators حوصلہ افزا ہیں اور دنیا ان کی تعریفیں کر رہی ہے۔ ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر ہمیشہ سے بڑھ گئے ہیں لیکن ایسی لاف زنی سے عام آدمی کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ حال ہی میں صدر پرویز مشرف سے میری جو ملاقات ہوئی اس میں زیادہ تر گفتگو تو سیاسی مسائل ہی پر ہوئی لیکن میں نے عام آدمی کو ریلیف دینے کے لئے بھی دو چار چھوٹی چھوٹی تجاویز انہیں دیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ ٹیلی فون کا لائن رینٹ 300 روپے ماہانہ سے کم کر کے ایک سو روپیہ کر دیا جائے۔ صدر صاحب نے کہا پی ٹی سی ایل کی مالی حالت اچھی ہے آپ کی تجویز پر عمل کرنا شاید ممکن ہو۔ میں اس کا جائزہ لوں گا۔ میں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ حسب وعدہ چار منٹ کے بعد ٹیلی فون کرنے والے کو "بیپ" کے ذریعے آگاہ کیا جائے کہ اس کی کال کا وقت ختم ہونے والا ہے تاکہ وہ بے خبری میں پانچ منٹ کی حد چند سیکنڈ سے عبور کر کے دوسری کال کا خرچہ اٹھانے پر مجبور نہ ہو جائے۔ صدر صاحب نے اس تجویز کا جائزہ لینے کا بھی وعدہ کیا۔ ایک دو روز بعد مجھے پی ٹی اے کے جرنیل چیئرمین صاحب کا فون آیا کہ صدر صاحب نے مجھے آپ کی تجویز کا جائزہ لینے کے لئے کہا ہے۔ میں نے پی ٹی سی ایل کے چیئرمین سے بات کی ہے وہ کہتے ہیں کہ لائن رینٹ ایک سو روپیہ کرنے سے انہیں چار ارب روپے سے زیادہ سالانہ نقصان ہوگا۔ میں نے جرنیل صاحب سے کہا کہ چار ارب کا نقصان نہیں ہوگا ہاں اتنا منافع ضرور کم ہو جائے گا اور اگر محکمے کے اعلیٰ افسران اور ان کے اعزہ فری کالیں کرنا بند کر دیں اور دوسری سہولتوں میں کچھ کمی کر لیں تو شاید ان کا منافع بھی کم نہ ہو۔ میں نے جنرل صاحب سے یہ بھی کہا کہ چار منٹ گزرنے کے بعد "بیپ" نہ دینے کے وعدے پر اس لئے عمل نہیں کیا گیا کہ کارپوریشن کے کارپردازان کی نیت خراب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صارف بے خبری میں دوسری یا تیسری کال کے چارجز ادا کر رہا ہے تو اسے کرنے دیں۔ کیوں بروقت اسے متنبہ کر کے اسے ایک ہی کال پر رکنے دیں۔ جرنیل صاحب نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے آپ کی بات ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے۔ میں اس کا جائزہ لوں گا۔ میں نے بجلی کے بلوں میں بھی معمولی سی کمی کرنے کے لئے بھی ایک تجویز صدر صاحب کو دی تھی اس پر مجھے وزیر خزانہ شوکت عزیز صاحب کا فون آیا پھر صدر کے پرنسپل سیکرٹری طارق عزیز صاحب کا فون آیا۔ ان دونوں حضرات سے بھی میں نے ٹیلی فون سے متعلق دونوں تجاویز کا ذکر کیا دونوں نے غور کا وعدہ کیا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ ٹیلی فون صارف کی جیب کاٹنے کا مجرمانہ عمل علیٰ حالہ جاری ہے۔ میں نے پی ٹی اے کے چیئرمین سے بڑی تلخی سے کہا کہ آپ کارپوریشن کا منافع کم ہونے کے خوف سے عوام کا خون چوسنا جاری رکھنا چاہتے ہیں تو کون آپ کو اس سے روک سکتا ہے۔ پاکستان میں اس وقت 32 لاکھ سے زیادہ فون کنکشن ہیں۔ اگر حکومت لائن رینٹ میں کمی کر دے اور چار منٹ کے بعد بیپ دیا جانا لازمی کر دے تو اسے کتنی بڑی گڈول مل سکتی ہے لیکن جہاں اندھی، بہری، خود غرض اور بے شعور بیوروکریسی کی حکومت ہو وہاں کسی عوام دوست قدم کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ میں نے صدر صاحب سے پنشنروں کے ساتھ ہونے والی دو زیادتیوں پر بھی بات کی۔ ایک کا تو ازالہ کر دیا گیا ہے، دوسری کا نہیں ہوا یعنی ملنے والا اضافہ کل پنشن پر شمار کرنے کا فیصلہ نہیں ہوا۔

پاکستان کی معاشی مشکلات کوئی راز نہیں ہیں اور حکومت چاہے بھی تو لوگوں کی تمام تکالیف دور نہیں کرسکتی۔ ان کے تمام مطالبے پورے نہیں کرسکتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئے روز عام آدمی پر ایک نیا بوجھ ڈال دیا جائے۔ میں نے لائن رینٹ اور بیپ والی تجاویز کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ عام صارفین ان کے حق میں آواز بلند کریں۔ حکومت کو چاہئے کہ بنکوں کے نئے مطالبات، یوٹیلیٹی بلوں کی ادائیگی پر نئی فیس، پیپرا کے اخراجات پورے کرنے کے لئے نیا ٹیکس اور ٹیلی فون بلوں پر نیا سرچارج نافذ کرنے سے گریز کرے۔ وہ عام آدمی کو کوئی ریلیف نہیں دے سکتی تو اس کی مشکلات میں اضافہ بھی نہ کرے۔

بس بجلی کے ایک بل کے عوض

''میرا نام سلمٰی ہے، شوہر دوکاندار تھا، ایک ایکسیڈنٹ میں اللہ کو پیارا ہو گیا، زندگی میں پہلی مرتبہ پولیس کا سامنا ہوا تو معلوم ہوا پولیس کیا ہوتی ہے، انصاف کیا ہوتا ہے اور عدل کسے کہتے ہیں، نشے میں مست ایک امیر زادے نے میرے خاوند کو کچل دیا، میں مظلوم تھی اور وہ ظالم، میں فریادی تھی اور وہ میرا ملزم لیکن پولیس تھانے میں اسے کرسی بھی پیش کرتی تھی اور چائے بھی جبکہ مجھے صرف گندی گالیاں اور ہوس سے لبریز نظریں ملتی تھیں، میں اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑ کر گھر بیٹھ گئی، مجھے نہیں معلوم میرے کیس کا کیا بنا، میری فائل اللہ تعالیٰ تک پہنچی بھی یا پھر اسی تھانے کے کسی محرر، کسی اے ایس آئی یا کسی سب انسپکٹر کی جیب ہی میں دفن ہو گئی''

یہ خط مجھے پچھلے ہفتے موصول ہوا، خط کی تحریر اس قدر جان دار، بیان اس قدر رواں اور حقائق اس قدر سنگین تھے کہ میں اپنا بنیادی اصول توڑ کر یہ خط آپ کی عدالت میں پیش کرنے پر مجبور ہو گیا، میں نے کالم نویسی کے ابتدائی دنوں میں فیصلہ کیا تھا، میں اپنے کالم میں خط شائع نہیں کروں گا، میں نے کسی نہ کسی حد تک اس فیصلے کا پاس بھی کیا لیکن جہاں تک سلمٰی (یقیناً یہ نام فرضی ہوگا) کا تعلق ہے، میرا خیال ہے، یہ خط میرے اصول، میرے فیصلے سے کئی ہزار گنا قیمتی ہے، اگر میں اسے آپ کے حضور پیش نہ کرتا تو میں باقی زندگی خود کو سلمٰی اور آپ دونوں کا گناہگار سمجھتا رہتا، آیئے شدت احساس میں ڈوبی یہ تحریر پڑھیں اور اسے ریفرنڈم کے بیلٹ پیپر میں لپیٹ کر کسی پولنگ سٹیشن کے کسی بیلٹ بکس میں ڈال دیں اور پھر خود سے سوال کریں، سلمٰی کا اصل ملزم کون ہے،

میرا خاوند ایک بیٹا نشانی میں چھوڑ گیا تھا میں اسے پالنے کے لئے گھر کی چیزیں بیچتی رہی، ایک ایک کر کے سب کچھ بک گیا تو میں نے سوچا، زندگی کی گاڑی کو دھکا دینے کے لئے ملازمت کر لوں، ایک بہت بڑے افسر کے گھر صفائی اور برتن مانجھنے کی نوکری مل گئی، افسر کی تنخواہ تو محض اٹھارہ انیس ہزار تھی لیکن وہ رہتا کروڑوں روپے کے گھر میں تھا، گھر میں چار پانچ گاڑیاں تھیں، روز کا خرچ تین چار ہزار روپے تھا، ایک روز اس افسر کے بیوی بچے کسی شادی میں شرکت کے لئے لندن چلے گئے، گھر اکیلا ہو گیا، میں نے کام پر جانا چھوڑ دیا، ایک مہینے بعد بجلی کا بل آ گیا، بل بہت زیادہ تھا، میرے پاس بل ادا کرنے کے لئے پیسے نہیں تھے، میں کام والے گھر گئی تو پتہ چلا بیگم صاحبہ گرمیوں کی چھٹیاں گزار کر ہی لندن سے واپس آئیں گی، میں نے آگے پیچھے نوکری کی کوشش کی، نہ ملی، میں مخیّر حضرات کے پاس گئی، زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں کے دروازے کھٹکھٹائے لیکن کسی نے میری مدد نہ کی، میرے گھر کا میٹر کٹ گیا، گرمی بہت تھی، میرا بیٹا گرمی میں چیختا تھا، میں پریشان ہو کر اسی افسر کے گھر چلی گئی اس نے میری عرض سن کر کہا اب تم آ گئی ہو تو میرا کمرہ ہی صاف کرتی جاؤ، پیسے بھی لے جانا، میں اس کے کمرے میں چلی گئی، جہاں اس افسر نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس ملک کے اکثر حرام خور بے بس کمزور اور مجبور لڑکیوں سے کرتے ہیں، میں چیخی بھی، چلائی بھی لیکن میری آواز ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر نہ گئی اس شام میں گھر لوٹی تو میری مٹھی میں بل کے پیسے تھے، میں نے سوچا، میں تھانے جا کر اپنے اوپر گزرنے والی قیامت کی شکایت کروں لیکن پھر سوچا جو پولیس میرے خاوند کے قاتل کو سزا نہ دے سکی وہ میری عزت کا بدلہ کیا لے گی، میں گھر میں پڑی رہی اور سوچتی رہی اگر میں نے بجلی کا بل عزت کا خزانہ لٹا کر ہی دینا ہے تو پھر باقی ضروریات زندگی کیوں پیچھے رہیں، میں نے اگلے روز بل جمع کرا دیا، بجلی بحال ہو گئی اور پھر اس کے بعد میں افسروں، کارخانے داروں، سرمایہ داروں اور سیاستدانوں کی جاگیر بن گئی، میں اس راستے پر چل پڑی جس پر شرافت پاؤں دھرنا پسند نہیں کرتی، مجھے اس راستے پر بے شمار سلمٰی ملیں، میں نے ہر ایک کی کہانی سنی، پتہ چلا کوئی ماں باپ کی دوا لینے نکلی تھی، دوا تو مل گئی لیکن وہ خود کیمسٹ ہی کی دکان پر رہ گئی، کوئی بچے کا فیڈر دودھ سے بھرنے کے لئے گھر سے نکلی، فیڈر بھر گیا لیکن وہ خود خالی ہو گئی، کوئی اغواء ہوئی اور کوئی کالج آتے جاتے راستے ہی میں کہیں سے کہیں جا پہنچی۔

''میں آپ کا کالم پڑھتی ہوں، آپ نے پچھلے دنوں

زیرو پوائنٹ

جاوید چوہدری

cjaved@hotmail.com

ایک ڈاکٹر کے ایس پی بننے کا قصہ لکھا تھا، پلیز ایک کالم واپڈا اور سوئی گیس والوں کے نام بھی لکھ دیں، ان سے کہیں اتنے جلدی جلدی بل نہ بڑھایا کریں، اتنی جلدی میٹر بھی نہ کاٹا کریں کہ اس ملک میں سلمٰی جیسی عورتیں بھی رہتی ہیں جنہیں بعد ازاں یہ بل اپنی عزت، اپنی حرمت گروی رکھ کر ادا کرنا پڑتے ہیں۔ اس پولیس کے لئے بھی لکھیں جس کے پاس ناانصافی کے سوا کچھ نہیں، ان مخیّر حضرات، زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں کے نام بھی لکھیں، عزت کے ان لٹیروں کے نام لکھیں، ان بیٹیوں والوں کے نام لکھیں جو ہر ظلم چپ چاپ سہہ جاتے ہیں، ان سب کے نام لکھیں، انہیں بتائیں یہ بل کسی روز ان کے شملے کی تہیں بھی کھول دیں گے''

''جاوید صاحب، میں اب اتنے پیسے کما لیتی ہوں کہ دن رات ساری بتیاں جلا کر رکھتی ہوں سارے پنکھے، سارے اے سی چلا دیتی ہوں اور پھر قہقہے لگاتی ہوں، میں اپنے بیٹے کو کہتی ہوں، بیٹا اب اس گھر کی کوئی بتی نہ بجھنے دینا، بجلی جلاؤ، جتنی جلا سکتے ہو، جلاؤ، بل کی پروا نہ کرو، میں نے اپنے بیٹے کو وصیت بھی کر دی ہے، میں نے اپنے بیٹے کو کہا ہے، بیٹا جب میں مروں تو اپنے باپ کی ایف آئی آر، میرے اس پہلے باس کی یہ تصویر اور بجلی کا یہ بل میرے ساتھ دفن کر دینا، میں چاہتی ہوں، میں اپنے قتل کے تمام ثبوت لے کر خدا کے دربار میں پیش ہوں، میں یہ سارا سامان گواہی بنا کر اللہ کے حضور پیش کروں اور پھر اس سے کہوں، اے میرے پروردگار، میں بے گناہ ہوں، میں معصوم ہوں، بس تیری دنیا اور تیری دنیا کے با اختیار لوگ ہی ایسے تھے، بس تیرے بندوں نے ہی مجھے معصوم نہیں رہنے دیا، مجھے گنہگار کر دیا، اے میرے پروردگار میں بھوک کاٹ سکتی تھی، میں بیوگی بھی گزار دیتی لیکن میں واپڈا کا مقابلہ نہ کر سکی، میں بلوں سے نہ لڑ سکی''۔